© rasailojaraid.com

قسط ۲

جناب پروفیسر محمد اسلم صاحب ۔ لاہور

مولانا عبدالقدوس گنگوہیؒ
کے
لطائف قدوسی کی تاریخی اہمیت

رودولی سے ہجرت سلطان بہلول لودھی کے انتقال کے بعد رودولی میں کافروں کا عمل دخل شروع ہو گیا۔ اور غیر مسلم سر بازار سؤر کا گوشت فروخت کرنے لگے ان حالات میں حضرت گنگوہی رودولی سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اور اپنے متعلقین کے ساتھ رہائش کے لئے کسی مناسب مقام کی تلاش میں چل پڑے۔ انہوں نے سفر ان کا گزر ایک ایسے مقام سے ہوا جہاں سلطان اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ وہاں حضرت گنگوہی کی ملاقات عمر خان سروانی سے ہوئی۔ اس نے حضرت سے کہا کہ کیا ہی اچھا ہو کہ وہ اس کے آبائی وطن شاہ آباد میں سکونت اختیار کریں۔ حضرت گنگوہیؒ اس کی درخواست قبول کرتے ہوئے شاہ آباد میں قیام پذیر ہو گئے اور ۳۷ یا ۳۸ برس وہیں رہے۔ شیخ حمید الدینؒ ان کے تمام بچے شاہ آباد میں پیدا ہوئے[49]

آمد گنگوہ شریف حضرت گنگوہی شاہ آباد میں ۳۷ یا ۳۸ سال تک مقیم رہے جب بابر نے ۱۵۲۶ء میں دہلی اور آگرہ پر قبضہ کیا تو اس کے سپاہیوں نے شاہ آباد کو اس طرح تباہ کیا کہ دور دور تک سوائے ویرانی کے اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ان حالات میں حضرت گنگوہی شاہ آباد سے گنگوہ چلے آئے اور پھر یہیں کے ہو رہے[50]

نظریہ وحدت الوجود علمائے کرام نے نظریہ وحدت الوجود کی نشر و اشاعت کو روکنے کی بڑی کوشش کی لیکن لودھیوں کے عہدِ حکومت میں ان کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ کئی صوفیوں نے فصوص الحکم کی شرحیں لکھ کر نظریہ وحدت الوجود کی خواص کے حلقے سے نکال کر عوام تک پہنچا دیا۔ حضرت گنگوہی وحدت الوجود کے اس حد تک قائل تھے کہ انہوں نے ... میں

---

۴۷ ایضاً ۔ ص ۲۸-۲۵

۴۸ ایضاً ۔ ص ۳۴

۴۹ ایضاً ۔ ص ۳۰

۵۰ ایضاً ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کفر و اسلام کا معیار بنالیا تھا۔ جامع ملفوظات تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت گنگوہی کی مجلس میں وحدت الوجود کے موضوع پر اکثر گفتگو رہتی تھی۔ شیخ رکن الدین نے ایک مجلس کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے جس میں قاضی عبدالغفور پانی پتی عرف بہولا نے "فصوص الحکم" پر ایک طویل بحث چھیڑی تھی[۵۱]

ایک روز ملتان کے عالم سیدی احمد حضرت گنگوہی سے ملنے آئے۔ حضرت نے "نورالمعانی شرح قصیدہ امالی" اپنے سامنے رکھی اور مسئلہ وحدت الوجود پر بحث شروع کر دی۔ سیدی احمد متبحر عالم تھے ان پر حضرت گنگوہی کی باتیں گراں گذریں اور حضرت کے سمجھانے کے باوجود وہ وحدت الوجود کے قائل نہ ہوئے۔ حضرت بھی بھلا اسے بغیر قائل کئے کب چھوڑنے والے تھے۔ اتفاق سے ایک مدت بعد آگرہ میں ان سے دوبارہ ملاقات ہوئی۔ اس بار دونوں نے کئی ماہ اکٹھے گزارے۔ شیخ رکن الدین فرماتے ہیں کہ ہر روز دونوں بزرگوں میں مسئلہ وحدت الوجود پر بحث ہوتی۔ بالآخر حضرت گنگوہی نے اسے قائل کر ہی لیا[۵۲]

جامع ملفوظات رقمطراز ہیں کہ حضرت گنگوہی نے گنگوہ کی مسجد میں فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی۔ نماز کے بعد دل نے سکر کی حالت میں وحدت الوجود پر گفتگو کا آغاز کیا۔ ان کے تین بیٹے شیخ حمیدالدین، شیخ احمد اور شیخ رکن الدین موجود تھے انہوں نے اپنے والد بزرگوار سے کہا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم دال سے وحدت ثابت نہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دین کا دار و مدار وحدت الوجود پر ٹھا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے روز وحدت الوجود پر ایمان رکھنے کی بنا پر ان (فرزندان شیخ گنگوہی) کا مواخذہ ضرت گنگوہی نے بحث شروع کی جو چاشت کی نماز تک جاری رہی۔ بحث کے اختتام پر موصوف نے یہ اندازہ نبی کرد کہ ان کے بیٹے وحدت الوجود کے منکر ہیں۔ انہوں نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

۳۴۴ ما در میان فرزندان بناشیم کہ ایشاں	ہم اپنے بیٹوں کے ساتھ نہیں رہیں گے
دینی و مشربی دیگر دارند و ما دینی و مشربی	کیونکہ ان کا دین اور مشرب الگ ہے اور
میں پیہ دیگر داریم[۵۳]	ہمارا دین اور مشرب الگ۔

مستعار یہ کہتے ہوئے حضرت جوش کے عالم میں اٹھے۔ کسی کو ان کے روکنے کی ہمت نہ پڑی۔ موصوف آدھ کوس تک چلے بعد ازاں کسی نیازمند نے سواری کے لئے گھوڑا پیش کیا۔ حضرت گھوڑے پر سوار ہو کر تھانیسر کی طرف چلے

---

۵۱ ایضاً۔ ۵۵

۵۲ ایضاً۔ ۵۴

۵۳ ایضاً۔ ۵۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گے ہاتھوں شیخ جلال سے بھی دریافت کریں کہ وہ کونسا مذہب اور مشرب رکھتا ہے۔ اگر وہ ان کے مذہب پر نہیں تو پھر اس سے بھی قطع تعلق کریں گے۔ قصبہ لکھنوتی تک پہنچتے پہنچتے بڑی تعداد میں لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے اتنے میں لوگوں نے ملاحوں کو پیغام بھیجا کہ تمام کشتیاں دریا کے کنارے سے لے جائیں۔

ان دنوں امیر شاہ گنگوہ کا داروغہ تھا۔ وہ حضرت گنگوہی کا بڑا مخلص مرید تھا اسے اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ گھوڑے پر سوار ہو کر حضرت کی خدمت میں پہنچ گیا اس نے دست بستہ عرض کی کہ اگر ہمایوں کو ان کی نقل مکانی کی اطلاع مل گئی تو وہ یہی سمجھے گا کہ اس کے عمّال اور خاص طور پر داروغۂ گنگوہ نے حضرت کی بے ادبی کی ہے جس کی بنا پر حضرت گنگوہ سے ترکِ مکان کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ ہمایوں کا غصہ ان غریبوں پر نازل ہو گا اور عین ممکن ہے کہ وہ داروغہ کو مار ہی ڈالے۔ ہمایوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے یہ بہتر ہے کہ حضرت خود ہی اسے قتل کر ڈالیں۔ امیر شاہ کی باتیں سن کر حضرت کا جوش کم ہوا تو اس نے ان کے گھوڑے کی باگ گنگوہ کی طرف موڑ دی۔ حضرت گنگوہ تشریف لے آئے لیکن انہوں نے اپنے بیٹوں کی اقتدا میں نماز ادا کرنا چھوڑ دی۔ ان کے خیال میں ان کا دین اور مشرب الگ تھا۔

جب شیخ جلال تھانیسری کو اس واقعہ کی خبر ملی تو وہ حاضر خدمت ہوئے۔ حضرت نے جب انہیں اپنے قریب آتے دیکھا تو فرمایا:-

ہمانجا باش و بگو کہ چہ دین داری و چہ مشرب داری	وہیں ٹھہرو اور بتاؤ کہ تم کونسا دین اور کونسا مشرب رکھتے ہو؟

حضرت تھانیسریؒ نے قرآن مجید کی آیات اور بزرگوں کے اقوال سنائے جو حضرت کے حسب منشا تھے۔ حضرت گنگوہی ان سے بے حد خوش ہوئے اور انہیں اپنی آغوش میں لے لیا۔ دو روز بعد بیٹوں کی تقصیر بھی معاف ہوئی۔ حضرت کے تینوں بیٹوں نے وحدت الوجود کے موضوع پر رسالے لکھ کر اپنے والد بزرگوار کی خوشنودی حاصل کی۔[54]

جذب و مستی چشتیوں کا خمیر ہی عشق کے پانی سے گوندھا گیا ہے ان کے مزاج میں عشق و جذب کی فراوانی ہے۔ قارئین کو یاد ہو گا کہ جب سید بندہ نواز گیسو دراز نے حضرت نصیرالدین چراغ دہلی کے ہاتھ پر بیعت کی وان کا جذبہ اور ذوق و شوق دیکھ کر حضرت چراغِ دہلی فرمایا کرتے تھے کہ ستر برس کے بعد ایک لڑکے نے پھر مجھ میں شوریدگی پیدا کر دی ہے۔[55]

دہلی میں مولانا شعیب نام کے ایک خوش الحان خطیب تھے جو اپنی مسجد میں قرآن مجید کی تفسیر بیان کیا کرتے تھے

---

[54] ایضاً۔ ص ۶۰

[55] محمد علی سامانی۔ سیر محمدی۔ مطبوعہ الہ آباد ۱۳۴۷ھ۔ ص ۱۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کی مسجد میں عام طور پر حفاظ کا مجمع لگا رہتا تھا۔ شیخ رکن الدین نے حضرت گنگوہی سے اس کا ذکر کیا تو موصوف ان کی مسجد میں جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ جب حضرت وہاں پہنچے تو مولانا شعیب منبر پر کھڑے تفسیر بیان کر رہے تھے۔ ان کی آواز کانوں میں پڑتے ہی حضرت گنگوہی پر مستی کا عالم طاری ہو گیا۔ مولانا شعیب خاموش ہو کر انتظار کرنے لگے کہ حضرت کی طبیعت درست ہو تو وہ اپنا بیان شروع کریں شیخ رکن الدین جانتے تھے کہ حضرت اتنی جلدی ہوش میں نہیں آئیں گے۔ اس لئے وہ انہیں سوار کر کے ان کی قیام گاہ پر لے گئے۔

جب نماز عصر کا وقت قریب ہوا تو شیخ رکن الدین اپنے والد بزرگوار کو نماز ادا کرنے کے لئے شیخ نصیر الدین کی مسجد میں لے گئے۔ وہاں درویشوں کا مجمع لگا ہوا تھا۔ شیخ نصیر الدین نے حضرت گنگوہی کو دیکھا تو ان پر لرزہ طاری تھا انہوں نے دریافت کیا کہ انہیں کیا مرض ہے اور اس عالم میں انہیں گھر سے باہر کیوں لے آئے ہیں؟ شیخ رکن الدین نے جواب دیا

در مسجد مولانا شعیب زخم عشق	مولانا شعیب کی مسجد میں انہیں
رسیدہ است۔ ازاں سبب	زخم عشق لگا ہے اور اسی سبب سے
بدیں طریق گشتہ اند	ان کی یہ حالت ہے۔

حاضرین یہ جواب سن کر حیران رہ گئے۔ حضرت گنگوہی اس عالم میں وضو کرنے بیٹھے تو انہوں نے پورے ہوش کے ساتھ وضو کیا۔ حاضرین کو اس پر تعجب ہوا کہ حضرت مستی کے عالم میں بھی شریعت کا کتنا پاس کرتے ہیں[۵۶]

جن دنوں حضرت گنگوہی شاہ آباد میں مقیم تھے ان کی نشست کے لئے ان کے بیٹوں نے صحن میں ایک چھپر ڈال دیا تھا۔ ایک روز ان کے بیٹے چھپر کی مرمت کرنے لگے۔ تو حضرت کی نظر پڑ گئی انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا تم چھپر کو نہ چھیڑو اور اسے اسی حالت میں رہنے دو۔ ان کے بیٹے متردد ہوئے کہ حضرت انہیں چھپر کی مرمت سے کیوں روک رہے ہیں۔ شیخ رکن الدین فرماتے ہیں کہ ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ گجرات سے محمود قوال ان کے ہاں پہنچ گیا۔ اس نے صحن میں قوالی شروع کی تو حضرت پر وجد طاری ہو گیا اور انہوں نے عالم وجد میں چھپر اٹھا کر گلی میں پھینک دیا۔ تب انہیں سمجھ آئی کہ حضرت گنگوہی اس روز چھپر کی مرمت کرنے سے کیوں منع فرما رہے تھے۔[۵۷]

دہلی میں قیام کے دوران ایک روز حضرت گنگوہی شیخ عبدالصمد کی خانقاہ میں سماع سننے تشریف لے گئے دوران سماع حضرت پر وجد طاری ہو گیا اور موصوف جوش میں آکر کہنے لگے :-

---

۵۶ رکن الدین۔ لطائف قدوسی ص ۶۱

۵۷ ایضاً۔ ص ۳۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منصور حلاج را نادانان بردار دادند و کشتند، اگر من درآں وقت می بودمی کشتن نمیداد[۵۸]

منصور حلاج کو نادانوں نے سولی پر چڑھا دیا اور مار ڈالا۔ اگر میں اس وقت موجود ہوتا تو انہیں مارنے نہ دیتا۔

شاہ غلام علی دہلوی نے ایک مجلس میں حضرت گنگوہیؒ کا ذکر خیر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کے سامنے کسی نے سماع کی حرمت بیان کی تو انہوں نے فرمایا کہ سماع اس لئے حرام ہے کہ سماع کے دوران دل فسق کی طرف مائل ہو جاتا ہے لیکن ان کا اس وقت اللہ کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ اس لئے جب حرمت کا سبب ہی ختم ہو گیا تو پھر سماع کیسے حرام ہوئی؟[۵۹]

جامع ملفوظات رقمطراز ہیں کہ ان کے والد ماجد سکر کے عالم میں قرآن مجید کی تفسیر بیان کیا کرتے تھے۔ ایک بار قاضی فضل اللہ اور سید عبداللہ نے میاں بہوہ کے فرزند دلاور خان سے کہا کہ حضرت ایسی باتیں بیان کرتے ہیں جو کسی تفسیر میں نہیں ملتیں[۶۰]

شیخ رکن الدین تحریر فرماتے ہیں کہ جب ان کے والد بزرگوار پر سکر کا عالم طاری ہوتا تھا تو موصوف کے منہ سے شطحیات سننے میں آتی تھیں[۶۱]۔ ایک روز برخوردار نامی ایک گویا ملتان سے آیا۔ اس کا پُر درد کلام سن کر حضرت گنگوہیؒ پر مستی کا عالم طاری ہو گیا اور موصوف ترنگ میں آ کر فرمانے لگے۔

ترا عرش دادیم و کرسی دادیم و بہشت دادیم[۶۲]

---

۵۸ ایضاً۔ ص ۴۹

۵۹ شاہ رؤف احمد۔ دار المعارف۔ مطبوعہ استنبول ۱۳۹۴ھ ص ۲۶

۶۰ رکن الدین۔ لطائف قدوسی ص ۶۰

۶۱ ایضاً۔ ص ۳۲۔ ۳۹۔ ۶۱۔ ۶۲

۶۲ ایضاً۔ ص ۶۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عبادت اور مشاغل جامع ملفوظات تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت گنگوہیؒ کا یہ معمول تھا کہ موصوف شب برات میں سو نفل باجماعت ادا فرماتے اور ان نفلوں میں قرآن مجید ختم کرتے۔ ان کا یہ معمول کبھی فوت نہیں ہوا[63]۔ شیخ احمد اور شیخ علی، حضرت گنگوہی کے دو کم سن بیٹے تھے۔ انہوں نے شب قدر کو جاگنے کا ارادہ ظاہر کیا تو حضرت نے فرمایا۔ "جاؤ جاکر سو رہو۔ تم ابھی بچے ہو۔ شب قدر کی تاب نہ لاسکو گے"[64]

شیخ رکن الدین رقم طراز ہیں کہ ابتدائے سلوک میں ان کے والد ماجد چار سو رکعت نفل دن کے وقت اور اتنے ہی رات کے وقت ادا کرتے تھے۔ سجدوں کی کثرت کی وجہ سے ان کا پاجامہ گھٹنوں سے اور جبہ رانوں سے جلدی جلدی پھٹ جاتے تھے[65]۔

حضرت گنگوہیؒ صائم الدہر تھے۔ شیخ رکن الدین فرماتے ہیں کہ انہوں نے چالیس برس میں یہی دیکھا کہ ان کے والد بزرگوار سال میں صرف پانچ دن افطار کرتے تھے[66]۔

احتیاط کا عالم شیخ عبدالقدوس شریعت کا بڑا پاس کرتے تھے اور ذبیحہ کے بارے میں خاص احتیاط برتتے تھے۔ جامع ملفوظات فرماتے ہیں کہ والد ماجد بے نماز قصاب کے ذبح کردہ جانور کا گوشت نہیں کھاتے تھے اور محل شبہ سے بھی پہلو بچاتے تھے۔ ایک قصائی ان کا مرید تھا انہوں نے اسے ذبیحہ کے احکام اچھی طرح سمجھا دئے تھے اور صرف اسی کے ہاتھ سے ذبح شدہ جانور کا گوشت تناول فرماتے تھے[67]۔ ایک بار دہلی میں قیام کے دوران دستر خوان پر مرغی کا سالن چنا گیا۔ حضرت نے لقمہ شوربے میں تر کر کے اٹھایا ہی تھا کہ فوراً دستر خوان پر رکھ دیا اور کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ شیخ رکن الدین بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے کھانا تناول نہ کرنے کی وجہ پوچھی تو حضرت نے فرمایا کہ مرغی اچھی طرح ذبح نہیں کی گئی[68]۔

بے نماز رشوت خور مریدوں کے گھروں میں دعوتیں اڑانے والے پیروں کو ان واقعات سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔

شیخ رکن الدین تحریر فرماتے ہیں کہ ان کے والد ماجد کنوؤں کا پانی مطلق استعمال نہیں فرماتے تھے۔ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ کنوؤں میں سطح آب پر کوڑا کرکٹ اور بعض دوسری اشیاء جو لوگ بے احتیاطی سے پھینک دیتے ہیں تیرتی نظر آتی ہیں۔ حضرت گنگوہی کو غالباً اسی سبب سے کنوئیں کے پانی کے پاک ہونے پر شبہ تھا اور وہ کنوئیں کا پانی استعمال نہیں فرماتے تھے۔ گاؤں سے کافی دور ایک تالاب تھا۔ ان کے استعمال کے لئے وہاں سے پانی لایا جاتا تھا[69]

سادگی کا عالم حضرت گنگوہیؒ کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ موصوف ہمیشہ کھدر کا لباس زیب تن فرماتے تھے۔

---

63 ایضاً۔ ص ۴۲

64 ایضاً۔ ص ۴۵

65 ایضاً۔ ص ۱۵

66 ایضاً۔ ص ۶۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت الیاس کے لئے نیا کپڑا خریدنے کی بجائے کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں اور گلیوں سے بوسیدہ اور پرانے کپڑے اکٹھے کر لیتے اور انہیں پاک کر کے اپنے لئے لباس سلوا لیتے تھے۔[۶۶]

دنیاداروں کو ملنے سے احتراز

شیخ عبدالقدوسؒ دنیاداروں اور سرکاری ملازموں سے ملنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ ردولی کا داروغہ قاضی محمود تھانیسری ان کا عقیدت مند تھا۔ جب کبھی وہ ان کی زیارت کا قصد کرتا تو حضرت گنگوہی اس کی اطلاع ملتے ہی ویرانے کی طرف بھاگ جاتے۔

جامع ملفوظات اپنے والد ماجد کے بارے میں لکھتے ہیں:-

تبری از اہلِ دنیا بر کمال بود۔ اختلاط بایشاں زہر قاتل میدانستند۔[۶۸]

دنیاداروں کو ملنے سے بڑا احتراز کرتے تھے اور ان سے ملنے کو زہر قاتل سمجھتے تھے۔

موجودہ زمانے کے چشتی مشائخ اور گدی نشین جو اعلیٰ سرکاری افسروں اور امیروں کے ساتھ تعلقات کو اپنی زندگی کا حاصل سمجھتے ہیں۔ انہیں بھلا حضرت گنگوہی کے ساتھ کیا نسبت ہو سکتی ہے۔

حضرت گنگوہی کے آخری ایام حیات

حضرت گنگوہی نے اپنی وفات سے تین سال قبل سکوت اختیار فرما لیا تھا۔ اور لوگوں سے ملنا جلنا بھی ترک کر دیا تھا۔ ان ایام میں آپ ہر وقت عالم محویت اور بے خودی میں رہتے تھے۔ ایک روز شیخ رکن الدین اور ان کے بھائی شیخ احمد نے اس سکوت کا سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا۔

بابائے من! ما دل را بذکر حق بسیار کوفتیم اکنون تمام وجود من دریاء ذکر شدہ است۔ ہر زمان بحر فنا موج میزند و غرق میسازد و ایں عالم شہادت را از پیش ما بر میدارند و در عالمی دیگر می برند و شہود حق پیش می آرد و باز ایں عالم آمدن نمی دہند۔

میرے بیٹے! میں نے اپنے دل کو ذکر حق میں بہت کوٹا ہے۔ اب میرا تمام وجود دریائے ذکر بن گیا ہے۔ ہر لمحے بحر فنا میں موجیں اٹھتی ہیں اور غرق کر دیتی ہیں۔ اس عالم شہادت کو میرے سامنے سے اٹھا لیتے ہیں اور دوسرے عالم میں پہنچا دیتے ہیں جہاں مشاہدہ حق دیکھنے میں آتا ہے اور وہ اس عالم میں آنے سے روکتا ہے۔

---

۶۷ ایضاً ص ۱۵

۶۸ ایضاً ص ۵۰

۶۹ ایضاً ص ۱۵

۷۰ ایضاً ص ۱۶

۷۱ ایضاً ص ۱۸-۱۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک دوسری مجلس میں انہوں نے فرمایا:-

موجہا دریا فنا ساعۃً فساعۃً می آیند بہوش آمدن نمے دہند۔[72]	دریائے فنا کی موجیں لمحہ بہ لمحہ آتی ہیں۔ وہ ہوش میں نہیں آنے دیتیں۔

حضرت گنگوہیؒ کا وصال حضرت گنگوہی نے ۲۳ رجمادی الآخر ۹۴۴ھ کو بروز منگل صبح چاشت کے وقت تحیۃ الوضو پڑھتے ہوئے نفل ادا کرتے ہوئے انتقال فرمایا۔[73] ابوالفضل نے آئینِ اکبری میں ان کا سالِ وفات ۹۵۰ھ لکھا ہے جو ابوالفضل کے عقائد کی طرح صحیح نہیں۔[74]

رحلۃ الشتاء والصیف لطائف قدوسی کے مطالعہ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ حضرت گنگوہی گاہ گاہے سفر پر نکلتے تھے۔ ایک بار موصوف نے پاک پتن اور ملتان کا سفر حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر اور حضرت شیخ بہاءالدین زکریا کے مزارات کی زیارت کی غرض سے کیا۔[75] اسی طرح ان کے سفر آگرہ کا ذکر بھی ملفوظات میں آیا ہے۔[76] جن دنوں شیخ رکن الدین دہلی میں تعلیم حاصل کر رہے تھے ان دنوں حضرت گنگوہی کا قیام بھی دہلی میں تھا۔[77] ان دنوں ان کا زیادہ وقت مشائخ کے مزاروں کی زیارت میں گزرتا تھا۔[78] بابر اور ابراہیم کے درمیان جب پانی پت کے تاریخی میدان میں جنگ ہوئی تو حضرت گنگوہی بھی افغان لشکر میں موجود تھے۔[79]

تصوف کا زوال مملوک خلجی اور تغلق سلاطین کے عہد میں جس پایہ کے اولیاء اللہ برصغیر میں موجود تھے ان کی نظیر نہیں ملتی۔ سیّدوں اور لودھیوں کے عہد میں برصغیر میں تصوف کا زوال شروع ہوا۔ اس زمانے میں برصغیر کے شہروں اور قصبوں میں بے شمار رنگ دھڑنگ مجذوب اور بے شرع صوفی نظر آتے تھے۔ جس معاشرے میں ایسے لوگ موجود ہوں اسے کسی طرح بھی صحت مند معاشرہ نہیں کہا جا سکتا۔ لطائف قدوسی کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں کئی نامور صوفی۔ جن میں حضرت نظام الدین اولیاء کے خلیفہ سید نجم الدینؒ کے مرید شیخ حسین قلندر بھی شامل تھے نماز نہیں پڑھتے تھے۔[80] شیخ رکن الدین تصوف کے زوال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مداری سلسلہ جو حضرت بدیع الدین مدارؒ کی طرف منسوب ہے، اس زمانے میں خاصا بدنام ہو چکا تھا۔[81]

جامع ملفوظات اپنے زمانے کے صوفیوں کے مبلغ علم پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

دریں عہد کہ درویشاں اند اکثر جہال اند۔ بر گفتہ ایشاں اعتماد نمی افتد۔ و چون چیزے مشکل در علم معرفت بہ پرسیدہ مے شود	اس عہد میں جتنے درویش ہیں ان کی اکثریت جاہل ہے ان کی باتوں پر یقین نہیں آتا۔ جب معرفت کا کوئی مشکل مسئلہ ان سے پوچھا

---

۷۲ ایضاً۔ ص ۶۸ ۷۳ ایضاً۔ ص ۷۰

۷۴ ابوالفضل۔ آئینِ اکبری۔ مطبوعہ دہلی ۱۲۷۲ھ ج ۲ ص ۲۱۴ ۷۵ رکن الدین، لطائف قدوسی۔ ص ۳۹

۷۶ ایضاً۔ ص ۵۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پرسش ما را فہم نمی کنند و جواب شافی نمے دہند[82] | جاتا ہے تو وہ ہمارے سوال کو ہی نہیں سمجھ سکتے اور ان کے جواب سے تشفی نہیں ہوتی۔

یہ تو تھی ہمایوں کے آخری عہد حکومت کی بات۔ اب ذرا اکبر کے عہد کے صوفیوں اور سجادہ نشینوں کا ذکر شیخ اخوند درویزہ کی زبانی سنتے جائیے:۔

خصوصاً دریں زمانہ فساد کہ اکثر مردم صورت شیطان سیرت بر سجادۂ پدر و پدر کلاں خود نشستہ اند[83] | خاص طور پر اس زمانہ فساد میں اکثر انسان صورت شیطان سیرت لوگ اپنے باپ اور دادا کی مسندوں پر براجمان ہیں۔

شیخ رکن الدین اور اخوند درویزہ نے اس زمانے میں تصوّف کے حلقوں میں قحط الرجال کا ذکر کیا ہے۔ اب ہمارے زمانے میں تو پڑھے لکھے صوفی۔ النادر کالمعدوم کے زمرے میں آتے ہیں۔

لودھی عہد میں مجاذیب کی کثرت

حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ جن دنوں وہ رودولی میں قیام پذیر تھے وہاں کئی ننگ دھڑنگ "صاحب کرامت" مجذوب گلیوں میں چلتے پھرتے نظر آتے تھے یونس دیوانہ نامی ایک ایسے ہی صاحب کرامت "مجذوب سے ان کی ملاقات رہتی تھی۔ حضرت گنگوہی اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ سر راہ شراب پیا کرتا تھا۔ ایک روز انہوں نے اسے شارع عام پر شراب پیتے دیکھا تو اس خیال سے کہ اس سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے، انہوں نے راستہ بدلنا چاہا۔ یونس دیوانے نے انہیں کنی کترا کر نکلتے ہوئے دیکھا تو جام بکف ان کے پیچھے بھاگا۔ اور انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا:۔

صوفی نشود صافی تا در نکشد جامی
بسیار سفر باید تا پختہ شود خامی

حضرت گنگوہی فرماتے ہیں کہ انہوں نے دیوانے کے اصرار پر جام ہے کر لبوں سے لگا لیا اور چند قطرے ان کے حلق میں چلے گئے۔ لیکن ان کا ذائقہ شراب جیسا نہ تھا۔ ان قطروں کے حلق سے نیچے اترتے ہی حضرت گنگوہی پر۔ حالات کمالات انوار و اسرار بسیار۔ ظاہر ہوئے[84]

---

[77] ایضاً۔ ص ۴۶ | [78] ایضاً۔ ص ۴۱

[79] ایضاً۔ ص ۶۳، ۶۴ | [80] ایضاً۔ ص ۲۲، ۲۴ [81] ایضاً ص ۶

[82] ایضاً۔ ص ۵۵ | [83] اخوند درویزہ، ارشاد الطالبین۔ مطبوعہ دہلی ۱۸۸۸ء ص ۲۹۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس واقعہ سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اولاً یہ کہ لودھیوں کے عہدِ حکومت میں احتساب کمزور ہو گیا تھا اور لوگ سرِ عام شراب پینے لگے تھے اور انہیں روکنے ٹوکنے والا کوئی نہ تھا۔ ثانیاً یہ کہ شراب عام دستیاب تھی اور ردولی جیسے علمی اور روحانی مرکز میں بآسانی مل جاتی تھی اور لوگ سڑکوں پر چل پھر کر پیتے نظر آتے تھے۔

ردولی میں قیام کے دوران میں حضرت گنگوہی کی وہاں کے مجاذیب کے ساتھ اکثر ملاقات رہتی تھی۔ ان صاحب کرامت " مجذوبوں میں سے ایک نامجن دیوانہ بھی تھا وہ فارسی اور ہندوی زبانیں جانتا تھا۔ وہ کبھی کبھی خلوت میں حضرت گنگوہی سے ملتا تو فرزانہ بن جاتا لیکن دوسروں کے سامنے ہمیشہ دیوانگی کی باتیں کرتا تھا[۵۵]۔ اسی طرح ردولی کے ایک دیوانے بھیکا عرف بھیکا نے حضرت گنگوہی کو کمال حاصل کرنے کی بشارت دی تھی[۵۶]

حضرت گنگوہی جب ملتان اور پاک پتن کے سفر پر نکلے تو دیپالپور میں ان کی ملاقات ابراہیم مجذوب کے ساتھ ہوئی۔ اس کا رویہ علماء کے ساتھ بڑا سخت تھا لیکن جب حضرت اس سے ملنے گئے تو اس نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور ان کے قدموں پر گر پڑا۔ رخصت کے وقت حضرت نے اس سے دعا کی التجا کی تو اس نے کہا کہ وہ خود ان کی دعا کا محتاج ہے[۵۷]

سلطان بہلول لودھی کی وفات کے بعد خلل

سلطان بہلول لودھی کی وفات کے بعد جب سکندر لودھی تخت نشین ہوا تو مشرقی ہندوستان میں ابتری پھیل گئی۔ ان حالات میں غیر مسلموں نے قوت فراہم کر لی اور بیشتر شہروں اور قصبوں میں ان کا عمل دخل شروع ہو گیا۔ ردولی جیسے قدیم روحانی اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے مرکز میں ان کی جرأت یہاں تک بڑھی کہ وہ شعائرِ اسلام مٹانے پر تل گئے۔ بازاروں میں سور کا گوشت سرِ عام بکنے لگا۔ ان حالات میں حضرت گنگوہی ردولی کی سکونت ترک کرنے پر مجبور ہو گئے۔ یہ واقعہ شیخ رکن الدین کی پیدائش سے ایک سال پہلے ۸۹۶ھ میں پیش آیا[۵۸]

چشتی بزرگوں کے مسلک کے برعکس حضرت گنگوہی نے اپنے ہم عصر سلاطین کے ساتھ روابط قائم رکھے۔ آپ کے مکتوبات کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ سلطان وقت کو "ظل اللہ فی الارض" سمجھتے تھے۔ اور اسے "اولی الامر" تسلیم کرتے تھے۔ سکندر لودھی کے ساتھ ان کے تعلقات بڑے خوشگوار تھے اور اس کے ساتھ خط و کتابت بھی رہتی تھی۔ سلطان کے نام ایک خط میں موصوف اسے یاد دلاتے ہیں کہ اگر وہ ایک گھڑی بیٹھ کر عدل کرے تو یہ ایک گھڑی دوسروں کی ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے۔ سکندر لودھی کے نام ایک خط میں حضرت گنگوہی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ سلطانِ عادل کا چہرہ دیکھنا بھی عبادت ہے[۵۹]

سلطان سکندر لودھی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سلطان ابراہیم لودھی بھی حضرت کا قدردان رہا۔ جب وہ

---

۵۵ ایضاً ص ۹   ۵۶ ایضاً   ۵۷ ایضاً   ۵۸ ایضاً ص ۳۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۵۲۶ء میں پانی پت کے میدان میں بابر کے خلاف لڑنے کے لئے نکلا تو اس نے "برکت" کے لئے حضرت گنگوہی کو اپنے لشکر میں بلا لیا تھا۔[91]

بابر کی آمد بابر کے برِصغیر پر حملہ سے ایک سال قبل حضرت گنگوہی کا ایک خاص مرید دتو سروانی بدایوں میں مقیم تھا۔ اس نے خواب دیکھا کہ مغرب کی سمت سے تیز و تُند ہوا آ رہی ہے۔ اور اس کے ساتھ غبار اڑ رہا ہے۔ فضا میں تاریکی پھیل گئی درخت اور مکان گرنے لگے۔ ہوا ٹوٹے ہوئے درختوں کے پتوں اور مکانوں کے ملبہ کو مشرق کی سمت اڑا لے گئی۔ اس نے حضرت گنگوہی سے اس خواب کی تعبیر پوچھی۔ تو انہوں نے فرمایا کہ اس نے جو بادِ قہر دیکھی ہے وہ افغانوں کے نفس کی شامت ہے اُن کی صفیں ٹوٹ جائیں گی اور یہاں ترکوں کی بساط بچھ جائے گی۔ اس خواب کے ایک سال بعد بابر نے پانی پت کے تاریخی میدان میں ابراہیم کو شکست دی۔ افغانوں نے اپنی صف لپیٹ لی اور ترکوں نے اس کی جگہ اپنی بساط بچھا لی۔[92]

اس خواب سے اور اس طرح کے دوسرے خوابوں سے جو حضرت گنگوہی کے رشتہ داروں اور مریدوں نے بابر کی آمد سے قبل دیکھے تھے، یہی ظاہر ہوتا ہے کہ بابر کے ہاتھوں افغانوں پر جو تباہی آئی۔ وہ اُن کی شامتِ اعمال کا نتیجہ تھی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ برصغیر کے مذہبی حلقوں کی ہمدردیاں مغلوں کی بجائے افغانوں کے ساتھ تھیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ افغانوں کی حرکتوں سے بھی نالاں تھے۔

---

88 ایضاً۔ ص ۳۱

89 عبدالقدوس گنگوہیؒ۔ مکتوباتِ قدوسیہ، مطبوعہ مطبع احمدی دہلی۔ مکتوب نمبر ۴۳۔ ص ۴۴ - ۴۵

90 ایضاً۔ "النظرۃ الی وجہ السلطان العادل عبادۃ"

91 رکن الدین۔ لطائفِ قدوسی ص ۶۳، ۶۴

© rasailojaraid.com